© rasailojaraid.com

زبان میں منتقل کیا ہے ان کی کتنی کتب ایسی ہیں جو اب تک اردو میں منتقل نہیں ہوئیں؟ کیا آپ انہیں اردو میں منتقل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں یا آپ نے کوئی ایسا منصوبہ بنایا ہے کہ آپ کی نگرانی میں کوئی اور انہیں اردو میں منتقل کر دے؟

جواب: مولانا کی تمام تفسیری چیزوں کا تو میں نے اردو میں ترجمہ کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ "امعان فی اقسام القرآن" اور رسالہ "الرای الصحیح فی من ھو الذبیح" کا ترجمہ بھی کر دیا ہے اب جو چیزیں باقی ہیں ان کی نوعیت یہ ہے کہ مولانا کے طریقے پر ریسرچ کرنے والوں کے لیے تو کارآمد ہو سکتی ہیں، لیکن اردو میں اگر ان کا ترجمہ کیا جائے تو ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خالص اونچے درجے کے علمی اور فنی چیزیں ہیں۔ اور بہت ہی اختصار کے ساتھ نوٹس اور یادداشتوں کی شکل میں موجود ہیں۔ ان چیزوں کے متعلق یہ کوشش البتہ ہو رہی ہے کہ جس حد تک ممکن ہو ان میں مرتب کے دو تین مجموعوں کی شکل میں چھاپ دیا جائے تاکہ اسکالرس ان سے استفادہ کر سکیں اس کے بعد ان کو صحیح طریقے پر مدون کرنے کا کام بھی ہو سکتا۔ ان کی توضیح بھی ہو سکتی ہے اور جہاں جہاں مولانا نے خلا چھوڑا ہے اس کو بھرنے کی کوشش بھی کی جا سکتی ہے۔ میری طاقت تو اب ختم ہو چکی ہے میں سمجھتا ہوں کہ اب مزید محنت کرنے کے قابل نہیں رہا۔ اللہ نے جتنا چاہا کام لے لیا۔ میرے ساتھیوں میں سے ایسے لوگ ہیں جن سے توقع کرتا ہوں کہ وہ اس کام کو انشاء اللہ جاری رکھیں گے اگر خدا نے چاہا تو کام ہوتا رہے گا۔

سوال: وہ کون لوگ ہیں جن سے آپ کو توقع ہے؟

جواب: میرے ساتھیوں میں سے خالد مسعود صاحب ہیں، عبداللہ صاحب ہیں، جاوید صاحب ہیں اسی طرح اعظم گڑھ میں جو لوگ کام کر رہے ہیں ان میں مولانا بدرالدین صاحب ہیں اب ان لوگوں سے میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ اس کام میں حصہ لیں۔

سوال: تفسیر "تدبر قرآن" آپ کا عظیم ترین علمی اور تصنیفی کارنامہ ہے۔ اس تفسیری شاہکار کی تصنیف پر کتنے برس صرف ہوئے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جواب: یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآنِ مجید ۲۳ سال میں نازل ہوا ہے اتنی ہی مدت میں میں نے "تدبر قرآن" کی تکمیل پر صرف کی ہے۔

سوال: "تدبر قرآن" کی آٹھویں جلد حال ہی میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر ہمارے ہاتھ میں پہنچی ہے یہ جلد کب مکمل ہوئی؟

جواب: یہ جلد ۲۹ رمضان ۱۴۰۰ھ میں مکمل ہوئی ہے۔ یعنی پچھلے سے پچھلے رمضان میں، میں نے اس کی آخری سطریں سپرد قرطاس کی تھیں۔

سوال: "تدبر قرآن" کی تدوین کا محرک کیا تھا؟ کیا اردو زبان میں موجود متداول تفاسیر میں تشنگی تھی اور آپ نے یہ تفسیر لکھ کر اس تشنگی کو دور کیا یا محض قرآنِ مجید سے عقیدت کی بنا پر آپ نے یہ کام شروع کیا اور پایۂ تکمیل کو پہنچا تو شاہکار کی صورت اختیار کر گیا؟

جواب: یہ واقعہ ہے کہ "تدبر قرآن" کا اپروچ دوسری تمام تفسیروں سے مختلف ہے۔ دوسری تفسیریں یا تو روایات پر مبنی ہیں یا متکلمانہ الجھنوں پر مبنی ہے۔ اس تفسیر میں ڈائریکٹ اپروچ کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ یعنی قرآن کی زبان، قرآن کے نظام اور قرآن کے اپنے شواہد و نظائر کی روشنی میں قرآنِ مجید کی تفسیر کی گئی ہے۔ دوسری تمام چیزوں یعنی حدیث، قدیم آسمانی صحائف اور روایات وغیرہ میں سے جو چیزیں زبان، نظام اور قرآن کے اپنے نظائر کے موافق تھیں وہ تو لے لی گئیں ہیں، جو ان کے خلاف تھیں ان میں نظر انداز کر دیا گیا۔ اہل کتاب سے جتنی بھی بحث ہوئی ہے براہ راست ان صحیفوں کی بنیاد پر ہوئی ہے جن صحیفوں کے وہ مدعی ہیں۔

اس سے پہلے قرآن مجید کی عقلیت جس حد تک بھی واضح کی گئی ہے۔ وہ علم کلام کی روشنی میں کی گئی ہے۔ قرآنِ مجید کی اپنی عقلیت اور اپنی حکمت جو آفاقی و انفس کے دلائل پر مبنی ہے اس سے کسی نے بھی تعرض نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ یونانیوں کے فلسفے سے متاثر اور مرعوب تھے۔ اور قرآنِ مجید تو صرف قبروں پر پڑھنے کے لیے رہ گیا تھا اس تفسیر میں قرآنِ مجید کی اپنی حکمت اور اس کے اپنے فلسفے کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پوری طرح واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ پوری انسانیت کے لیے اس کی دعوت عام ہو سکے۔

مولانا فراہی نے میرے اوپر اپنی زندگی کے پانچ نہایت عزیز سال صرف کیے تھے۔ اب اس کے بعد میرے اندر قدرتی طور پر یہ خیال پیدا ہوا کہ مجھے مولانا کے اس ناتمام کام کو تمام کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگرچہ میں اپنے آپ کو اس کا اہل تو نہیں سمجھتا تھا لیکن انھوں نے میرا انتخاب کیا تو پھر مجھے یہ یہ کام کرنا تھا۔ پہلے تو میرا ارادہ یہ تھا کہ میں عربی زبان میں تفسیر لکھوں اور مولاہی ہی کی تفسیر "نظام القرآن" کو مکمل کروں۔ لیکن بعد میں مجھے یہ خیال ہوا کہ یہاں عربی پڑھنے والے کتنے ہیں۔ یہاں تو کوئی بھی عربی نہیں پڑھ سکتا۔ یہ سوچ کر میں نے اردو میں تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا اور اس کا نام "تدبر قرآن" رکھا۔

قرآن مجید کے متعلق یہ سوئے ظن شروع سے چلا آرہا تھا کہ اس میں کوئی نظم نہیں، کوئی ترتیب نہیں ہے سورتیں اور آیتیں یونہی جوڑ دی گئی ہیں اس خیال کو میں نے اپنے تفسیر میں مکمل طور پر باطل کر دیا ہے قرآنِ مجید کی ہر آیت دوسری آیت سے اور ہر سورہ دوسری سورہ سے مربوط ہے۔ پورا قرآن مجید فاتحہ سے لے کر والناس تک نہایت سائنٹفک ترتیب رکھتا ہے اس سے زیادہ سائنٹفک اور اعلیٰ ترتیب نہیں ہو سکتی۔

(اشراق، خصوصی اشاعت
جنوری۔ فروری ۱۹۹۸ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر حفیظ اللہ اور مولانا امین احسن اصلاحی

ظفر الاسلام اصلاحی

انیسویں صدی عیسوی کے نامورانِ اعظم گڑھ میں حافظ حاجی ڈاکٹر حفیظ اللہ مرحوم بجا طور پر شامل کیے جاسکتے ہیں۔ایک ماہر سرجن کی حیثیت سے وہ کافی معروف تھے۔ مولانا حمید الدین فراہی (م ۱۹۳۰) سے انھیں گہری عقیدت تھی اور ان کے تلمیذ خاص مولانا امین احسن اصلاحی سے ان کے بہت قریبی تعلقات تھے جو ایک طویل عرصہ تک قائم رہے۔ ڈاکٹر صاحب اعظم گڑھ کے معروف قصبہ سرائے میر سے پچھم تقریباً ۸ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع موضع بکھرا کے رہنے والے تھے اور برادر مکرم ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی اصلاحی کے حقیقی ماموں تھے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ بیسویں صدی عیسوی کے نصف اول میں اعظم گڑھ کے دیہاتوں میں اعلی سطح پر جدید تعلیم میں دلچسپی رکھنے والے کم ہی گھرانے پائے جاتے تھے۔ڈاکٹر صاحب کا تعلق ایسے ہی ایک گھرانے سے تھا۔

حفظ قرآن اور مروجہ دینی تعلیم کی تکمیل کے بعد ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب جدید تعلیم میں مصروف ہوئے انھوں نے کوئنس کالج (Queen's college) بنارس سے انٹرپاس کیا۔بعد ازاں وہ میڈیکل تعلیم کی جانب متوجہ ہوئے۔ پہلے کلکتہ میڈیکل کالج میں داخلہ لیا لیکن کچھ عرصہ بعد یہاں کی تعلیم اس وجہ سے ترک کردی کہ اس کالج سے MBBS کے بجائے LMS کی ڈگری ملتی تھی۔ پھر انھوں نے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج (King Edward Medical College) لاہور کا قصد کیا جہاں سے انھوں نے ۱۹۱۱ میں ایم بی بی ایس کا کورس مکمل کیا۔ یہ کالج ۱۸۶۰ میں قائم ہوا تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہندوستان کے میڈیکل کالجز مین اس کا دوسرا نمبر تھا۔ پہلے یہاں LMS اور قدیم و جدید طب کے دیگر کورسز پڑھائے جاتے تھے۔ ۱۹۰۶ء سے یہاں باقاعدہ ایم بی بی ایس کی تعلیم شروع ہوئی۔(۱) ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب اس کالج سے ایم بی بی ایس کے سند یافتگان کے اولین بیچ میں شامل تھے۔ ان کے صاحب زادے جناب عقیل احمد صاحب (سابق سفارت کار حکومت ہندوستان ساکن حال کراچی) کے بیان کے مطابق ۱۹۲۹ء میں پراونشیل میڈیکل سروسز (Provincial Medical Services) میں انکی تقرری عمل میں آئی اور بتدریج ترقی کر کے ۱۹۲۹ء میں وہ سول سرجن کے منصب پر پہنچے۔ انہی کی روایت کے مطابق اس حیثیت سے انکی سب سے پہلی پوسٹنگ علی گڑھ میں ہوئی تھی۔ انھوں نے یوپی کے مختلف اضلاع (سیتاپور، متھرا، بارہ بنکی، پرتاپ گڑھ) مین سول سرجن کی خدمات انجام دیں اوران مقامات پر وہ میڈیکل سروسز کے انچارج بھی رہے۔ ۱۹۳۷ء میں ریٹائر ہونے کے بعد دو تین سال لکھنؤ میں آغا میر پارک کے قریب حمید منزل میں مقیم رہے۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۹ء تک وہ مستقلاً اعظم گڑھ میں بڑاپل روڈ ویز کے پاس اپنے مکان حفیظ منزل میں سکونت پزیر رہے اور اسی مکان میں مارچ ۱۹۴۹ء میں انھوں نے وفات پائی۔ مکان کے عقب میں اپنے ہی باغ کے کنارے پر مدفون ہوئے۔(۲) ان کی لوح تربت پر اعظم گڑھ کے مشہور شاعر جناب یحییٰ اعظمی (مولانا اقبال سہیل احمد کے شاگرد اور مولانا امین احسن اصلاحی کے گھرے دوست) کا یہ قطعہ تاریخ ان کی شخصیت کے نمایاں پہلوؤں کا بہترین عکاس ہے:

درود اس مرقد پر نور پر از بس کہ لازم ہے
کہ یہ شب زندہ دار حافظ قرآن کی تربت ہے

طبیب و حامی دیں ڈاکٹر حافظ حفیظ اللہ
زسر تا پا یقیں و صاحب عرفاں کی تربت ہے

متاع زندگی جس نے نثار دین حق کر دی
خدا بخشے اسی سر چشمہ ایمان کی تربت ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لسان غیب نے جس کو ھو المغفور فرمایا
اسی مرد مسلمان، حامل قرآں کی تربت ہے
خدا اس مرقد خاکی کو موج نور سے بھر دے
اسے شام لبد تک مھبط انوار حق کر دے (۳)

ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب کی اہلیہ محترمہ زبدۃ النساء بیگم ابھی باحیات ہیں اور اپنی عمر کی دوسری صدی میں داخل ہو چکی ہیں۔ وہ کراچی میں اپنے صاحبزادوں کے پاس رہ کر چوتھی پشت کی سرپرستی فرمارہی ہیں۔ ان کی اولاد میں پانچ لڑکے جناب انیس احمد، جناب رئیس احمد، جناب عقیل احمد، جناب جمیل احمد و جناب جلیل احمد اور پانچ لڑکیاں ہیں۔ (۴) انکے آبائی گاؤں بھرا میں ان کے سب سے قریبی جناب نیاز احمد جناب نسیم احمد و جناب شمیم احمد ہیں۔ بھرا سے قریب ہی موضع چھیتے پور (جو ڈاکٹر صاحب کی جائے ولادت بھی ہے) میں ان کے حقیقی بھانجے ڈاکٹر ضمیر الحسن خاں صاحب جناب بدیع الاسلام صاحب اور ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی صاحب رہتے ہیں (۵) صاحب زادوں میں جناب عقیل احمد صاحب (جو اب فضا اعظمی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں) اس لحاظ سے خصوصی ذکر کے مستحق ہیں کہ وہ صاحب دیوان شاعر، ادیب اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ (۶) الہ آباد یونیورسٹی سے ایم. اے. (اردو) و ایل. ایل. بی. کی تکمیل کے بعد وہ پہلے صحافت و وکالت کی مصروفیات سے منسلک رہے اور پھر حکومت ہند کی وزارت خارجہ میں ملازمت اختیار کی اور سفارت کار (بالخصوص پریس اتاشی) کی حیثیت سے انھوں نے قاہرہ، خرطوم، جدہ اور واشنگٹن میں اپنی ذمہ داریاں انجام دیں۔ اس ملازمت سے از خود سبکدوشی حاصل کرنے کے بعد امریکی ادارہ USIS (یونائیٹڈ اسٹیٹس انفارمیشن سروس) سے ۸ برس تک Public Affairs Advisor کی حیثیت سے منسلک رہے۔ پیش نظر مضمون کی تیاری میں جناب عقیل احمد صاحب کی فراہم کردہ اطلاعات سے مجھے کافی مدد ملی ہے ان کرم فرمائیوں کیلئے میں ان کا تہِ دل سے ممنون ہوں۔ (۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب کی شخصیت کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ دین دار تھے اور مسلمانوں کی تعلیمی و سماجی فلاح و بہبود کے کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ وہ زندگی بھر صوم وصلوۃ کے پابند رہے۔ نو سال کی عمر میں حفظ کیا اور جوانی ہی میں فریضہ حج ادا کیا۔ ایک اہم سرکاری عہدہ پر سرفراز ہونے کے علاوہ وہ صاحب زمین و جائداد تھے۔ اسی کے ساتھ وہ بڑے فراخ دل اور غریب پرور بھی تھے۔ کار خیر میں شرکت اور غریبوں کی اعانت اپنے لئے باعث سعادت تصور کرتے۔ اس سے اہم یہ کہ غریبوں کی مدد کرتے وقت وہ خاص خیال رکھتے کہ ان کی عزت نفس کو ٹھیس نہ پہنچے جیسا کہ جناب عقیل صاحب نے ایک انٹرویو میں اپنے والد کی ذاتی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ تاثر پیش کیا:

" ایک ہی شخصیت ہے جس کا نقش آج تک قائم ہے اور وہ ہیں میرے والد ڈاکٹر حفیظ اللہ۔ انکی مذہب سے وابستگی کے ساتھ ساتھ روشن خیالی، ان کا جذبہ غرباء پروری اس احتیاط کے ساتھ کہ کسی کو اس بات کا علم نہ ہو۔ شادی کی ایک محفل میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دور ایک غریب نظر آیا مجھے بلا کر خاموشی سے پانچ روپئے کا نوٹ دیا کہ میں جا کر دے دوں۔ میں نے جس طرح کھلے عام لے جا کر دیا اس پر مجھے تنبیہ کی۔" (۸)

صاحب ثروت و حیثیت ہونے کے باوجود ڈاکٹر صاحب مزاجاً درویش تھے۔ وہ عزت نفس، خودداری و استغناء جیسی خوبیوں سے متصف تھے لیکن نہ تو غریبوں و ضرورت مندوں سے بے پرواہ تھے اور نہ انکی ضرورتوں سے غافل۔ انکی وفات پر جب ان کے صاحبزادے جناب عقیل احمد صاحب نے اپنے جذبات کو اشعار میں ظاہر کیا ہے تو یہی اوصاف سب سے زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آئے:

رات بھر فقر و غنا روتے تھے مِل مِل کے گلے
دوست جب تجھ کو چلے گورِ غریباں لے کر
عرش سے آئی صدا، عرش پر بسنے والو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج آتا ہے کوئی حاصل ایمان لے کر
شان میں رفعت مرغوب امیراں لے کر
دل میں احساس وخیالات غریباں لے کر (۹)

اعظم گڑھ کے ایک قدیم مشہور طبیب، معروف سیاسی و سماجی کارکن اور دارالمصنّفین کی علمی و ادبی مجلسوں کے فیض یافتہ حکیم محمد اسحاق (م ۱۹۷۵ء) کے الفاظ میں:

"اسی شہر میں ایک ہستی ڈاکٹر حفیظ اللہ مرحوم کی تھی، سول سرجن تھے انتہائی دیندار سیرت وصورت بزرگ شخص تھے۔" (۱۰)

ڈاکٹر صاحب کے کار خیر کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ان کے گاؤں میں ان کے گھر (ڈاکٹر منزل) کے سامنے ایک مسجد کی صورت میں موجود ہے جسے انھوں نے ۱۹۲۸ء میں تعمیر کرایا تھا مسجد کی دیوار میں ایک پتھر پر کندہ یہ فارسی قطعہ بانی اور تاریخ بنا دونوں کی واضح شہادت پیش کررہا ہے۔

باسمہ تعالیٰ

ان المساجد للّٰہ فلا تدعوا مع اللہ احدا

مسجد و چاہ چوں بنا کردہ — حافظ و ڈاکٹر حفیظ اللہ
سال تاریخ گفت "ہاتف غیب" — گو بنا کردۂ حفیظ اللہ

۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۸ء

علم دوستی، اہل علم سے تعلق اور انکی مجلسوں میں شرکت ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کا دوسرا اہم پہلو تھا، مولانا فراہی، مولانا اصلاحی اور بعض دیگر معاصر علماء سے ان کا تعلق ملازمت کے دوران ہی قائم ہوا اور خوب برگ وبار لایا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ تقریباً ۸، ۹ برس مستقل طور پر اعظم گڑھ میں سکونت پذیر رہے۔ یہ شہر دارالمصنّفین اور شبلی کالج کی وجہ سے علمی وادبی مجالس کے لئے بہت معروف رہا ہے وقتاً فوقتاً شبلی منزل جانا اور وہاں کی نشستوں میں شریک ہونا ڈاکٹر صاحب کے معمولات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں شامل تھا۔ ہفتہ میں کم از کم ایک بار (جمعہ کے دن) گھر کے بچوں کو ساتھ لے کر وہاں جاتے اور نماز کے بعد مولانا مسعود علی ندوی (م ۱۹۶۷ء) کے گھر پر ہونے والی علمی مجلس میں بالالتزام شریک ہوتے۔ خود ان کے صاحب زادے عقیل احمد صاحب کے بیان کے مطابق اس طرح انہیں بچپن ہی میں مولانا سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) مولانا عبدالسلام ندوی (م ۱۹۵۶ء) مولانا مسعود علی ندوی، جناب یحییٰ اعظمی (م ۱۹۷۲ء) اور سید صباح الدین عبدالرحمٰن (م ۱۹۸۷) کی صحبت میں بیٹھنے کا موقع ملتا رہا اور ان کے ادبی ذوق کی نشوونما میں ان مجلسوں کا بڑا دخل ہے۔ (۱۱) مدرستہ الاصلاح سے بھی ڈاکٹر صاحب کا گہرا تعلق تھا وہ اس کے بہی خواہوں اور مستقل معاونین میں سے تھے۔ خود ان کے گھر والوں کی روایت ہے کہ وہ ہر طریقہ سے مدرسہ کی مدد کرتے رہتے تھے۔ وہ مدرسہ کی انتظامیہ سے بھی منسلک رہے۔ مدرسہ کے ایک بزرگ قدیم طالب علم اور معتمد مال کی حیثیت سے اس کے قدیم ترین خادم اور میرے بڑے کرم فرما مولانا عبدالرحمٰن ناصر اصلاحی جامعی صاحب کے بیان کے مطابق ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۴ء تک مدرسہ کے معتمد مال کی ذمہ داریاں انجام دیں۔ (۱۲)

عام طور پر یہ معروف ہے کہ ڈاکٹر صاحب اور مولانا فراہی میں بہت گہرے مراسم تھے لیکن ان تعلقات کی داغ بیل کب پڑی اس بارے میں قطعی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے۔ وہ مولانا فراہی کے ذاتی معالج بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آخر وقت میں مولانا گردے کی سخت بیماری میں مبتلا ہوئے تو وہ متھرا لائے گئے جہاں اسوقت ڈاکٹر صاحب سول سرجن تھے۔ انہی کے زیر علاج رہے اور آپریشن کے مراحل سے گذرے۔ یہاں علاج کے دوران مولانا کی خیریت معلوم کرنے کے لئے ان کے بڑے صاحب زادے جناب محمد سجاد صاحب (م ۱۹۸۲ء) نے ڈاکٹر صاحب کی معرفت خط بھیجا تھا۔ پوسٹ کارڈ پر پتہ میں ان کے ساتھ مولانا کا نام بھی درج ہے۔ اس کا متن حسب ذیل ہے۔ :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکرمی

سلام مسنون

علی میاں اب اچھے ہیں۔ ضعف کی وجہ سے شام کو ہلکا بخار آجاتا ہے۔ مولانا کی خیریت کا انتظار ہے اور کوئی قابل ذکر بات نہیں۔ باقی عافیت ہے۔

والسلام

سجاد انصاری (۱۳)

یہ خط ۶ نومبر ۱۹۳۰ء کو متھرا پہنچا تھا اور مرضی الٰہی کہ اس کے پانچویں روز مولانا فراہی وہیں وفات پا گئے اور متھرا کی سرزمین میں مدفون ہوئے۔ (۱۴) گرچہ اس امکان سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مولانا فراہی ڈاکٹر صاحب کی طبی مہارت اور ایک سرجن کی حیثیت سے ان کی شہرت کی وجہ سے ان سے قریب ہوئے ہوں لیکن میرے اپنے خیال میں اس کا زیادہ امکان ہے کہ دونوں کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ ایک دوسرے کیلئے باعث کشش بنے ہوں یا پھر عین ممکن ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی علم دوستی اور قدردانی اہل علم مولانا فراہی سے قربت کا ذریعہ بنی ہو یا مدرستہ الاصلاح کی نسبت سے ان سے قریب ہوئے ہوں۔ بہر حال یہ تو طے شدہ ہے کہ وہ مولانا فراہی کی شخصیت اور ان کے افکار سے بہت متاثر اور ان کے علمی کارناموں کے بڑے قدرداں تھے۔ مولانا فراہی کی حیات و افکار پر داد تحقیق دینے والے معروف اسکالر ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی صاحب کے الفاظ میں :

> "ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مولانا فراہی کے دوست ہی نہیں ان کی فکر کے دلدادہ تھے۔" (۱۵)

ناظم دارالمصنفین اور مکتب فراہی کے ایک ممتاز ترجمان مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب کا یہ تبصرہ بھی انہی حقائق کا غماز ہے :

> "یہ دونوں بزرگ (جناب حاجی حافظ ڈاکٹر حفیظ اللہ اور مولوی حفیظ احمد خاں صاحب) مولانا فراہی کے عظمت شناس اور ان کے علوم و معارف کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہایت قدر داں تھے اول الذکر کا وطن موضع بکھرا ضلع اعظم گڑھ تھا اور اور مؤخر الذکر سید ھا جیگہاں ضلع جونپور کے رہنے والے تھے۔ مدرسہ اور مولانا فراہی کی تصنیفات اور "الاصلاح" کی اشاعت میں ان دونوں حضرات کا بڑا تعاون رہا۔"(۱٦)

اس پر مزید ثبوت اس سے فراہم ہوتا ہے کہ مولانا فراہی کی وفات کے بعد ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف یہ کہ ان کے مسودات کی ترتیب و تدوین اور ان کی اشاعت کی شدید خواہش ظاہر کی بلکہ اس کے لئے تعاون بھی پیش کیا۔ دراصل انہی کی تحریک پر دائرۂ حمیدیہ کا قیام عمل میں آیا اور "الاصلاح" کے نام سے اسکا ترجمان جاری ہوا جیسا کہ آنے والی تفصیلات سے واضح ہوگا۔

قرین قیاس یہی ہے کہ مولانا فراہی کے ساتھ ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی سے بھی ڈاکٹر صاحب کے تعلقات قائم ہوئے اسی دوران انکی علمی صلاحیت بالخصوص قرآنیات سے ان کے گہرے شغف کے مظاہر سامنے آئے اور غالباً انھیں یہ بھی اندازہ ہوا کہ مولانا فراہی سے قربت اور کئی برس تک ان سے استفادہ کی وجہ سے مولانا اصلاحی نہ صرف یہ کہ اپنے استاد کے افکار و خیالات سے بخوبی واقف ہیں بلکہ ان کے تفسیری منہج پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ اس کا واضح ثبوت اس سے ملتا ہے کہ مولانا فراہی کی وفات کے بعد جب ڈاکٹر صاحب نے تفسیر اور قرآنی علوم سے متعلق ان کے مسودات کی اشاعت میں دلچسپی لی اور اپنے مالی تعاون سے اس کام کو اپنی نگرانی میں کرانا چاہا تو مسودات کی ترتیب و تدوین کے لئے انکی نظر انتخاب مولانا اصلاحی پر پڑی۔ ظاہر ہے اگر پہلے سے ان سے ربط ضبط نہ ہوتا اور ان کے علم و فضل سے وہ واقف نہ ہوتے تو اس اہم کام کی ذمہ داری انھیں کیسے سپرد کرتے؟

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مولانا فراہی کے انتقال کے بعد اہل مدرسہ اور ان کے قریبی تلامذہ کے سامنے سب سے اہم مسئلہ ان کے علمی ورثہ کا تحفظ اور اس کی اشاعت کا اہتمام تھا۔ اس کا بیشتر حصہ قرآنیات سے متعلق تھا۔ اس لئے انکی یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خواہش فطری ہی تھی کہ علم دین کا یہ قیمتی ذخیرہ محفوظ ہو جائے اور شائع ہو کر دوسروں کیلئے باعثِ افادہ ہو۔ یہاں یہ واضح رہے کہ مولانا فراہی کی زندگی میں ان کے چند تفسیری اجزاء اور بعض رسائل ہی شائع ہو سکے تھے۔ (۱۷) ان کے علمی کاموں کا ایک بڑا حصہ جسے قرآنیات کا بڑا قیمتی ذخیرہ کہا جا سکتا ہے 'ابھی مسودات کی صورت میں تھا۔ اس کے علاوہ ان کی کتابوں کا اردو ترجمہ بھی افادہ عام کے نقطہ نظر سے کچھ کم اہمیت کا حامل نہ تھا۔ مولانا امین احسن ااصلاحی اپنے استاد کی تصانیف کی قدر و قیمت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قرآن مجید ۴۰، ۴۵ سال تک مولانا کے فکر و نظر کا موضوع رہا ہے۔ اس وسیع مدت میں انھوں نے قرآن مجید پر ہر پہلو سے غور کیا ہے، ایک ایک گوشہ چھانا ہے۔ لفظ لفظ پر وادیاں قطع کی ہیں اور اپنی بحث و تحقیق کے نتائج متعدد مکمل اور نا مکمل تصنیفوں کی شکل میں یادگار چھوڑے ہیں۔ ان تصنیفات کی تعداد بیس سے زیادہ ہے اور ان میں سے اکثر قرآن مجید سے متعلق ہیں۔ مشکلاتِ قرآن کا کوئی گوشہ ان سے چھوٹا نہیں تھا۔ تفسیر نظام القرآن کے علاوہ مفردات قرآن، نحو قرآن، اسلوب قرآن، بلاغتِ قرآن، نظم قرآن، اوصاف قرآن، تاریخ قرآن، حج قرآن، حکمت قرآن ہر عنوان سے انھوں نے قرآن حکیم پر غور کیا ہے اور اپنے نتائج قلم بند کئے ہیں۔" (۱۸)

ظاہر ہے کہ اس اہم کام کے لئے افرادی قوت کے ساتھ مالی وسائل بھی درکار تھے۔ ذمہ داران مدرسہ اور تلامذہ مولانا فراہی اس کے لئے متفکر بھی تھے کہ ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب اور جناب حفیظ احمد خان صاحب (منصف حیدر آباد) کی حوصلہ افزا مالی پیش کش خاص اسی کام کے لئے مدرسہ کو موصول ہوئی۔ اس وقت مولانا اصلاحی (غالباً ۱۹۳۳ء کا آخر یا ۱۹۳۴ء کا شروع کا زمانہ تھا (۱۹)) مدرسہ کے کام سے ملایا و سماترا کے سفر پر تھے۔ ناظم مدرسہ جناب حاجی رشید الدین صاحب نے خط کے ذریعہ یہ خوشخبری سنائی خود مولانا نے اس واقعہ کو "الاصلاح" کے اولین شمارہ کے اداریہ میں "بشارت" کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔ مولانا فراہی کے مسودات کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشاعت کیلئے ڈاکٹر صاحب کے مالی تعاون کی خبر بلا کسی تاخیر سے مولانا اصلاحی کو مطلع کیا جانا اس پر دال ہے کہ مسودات کی ترتیب و تدوین کیلئے ان کے پیش نظر مولانا اصلاحی ہی رہیں رہے گے جیسا کہ بعد کے واقعات سے بھی اسکی شہادت ملتی ہے۔

بیرونی سفر سے واپسی پر مولانا اصلاحی کو ڈاکٹر صاحب کو خط ملا جس میں مرقوم تھا کہ وہ اپنی موجودہ مصروفیات سے کلیۃً فارغ ہو کر چند ماہ کے لئے بارہ بنکی آجائیں اور انکی رہائش گاہ پر قیام کر کے مولانا فراہی کے مسودات کی تصحیح و ترتیب کا کام دلجمعی سے انجام دیں تاکہ طباعت جلد ممکن ہو سکے۔(۲۰) اسی پروگرام کے تحت مولانا اصلاحی ۱۹۳۵ء میں چار پانچ ماہ ڈاکٹر صاحب کے گھر پر مقیم رہے اور مذکورہ کام انجام دیتے رہے۔ خود ان کے صاحب زادے (جناب عقیل صاحب) کے بیان سے اسکی تصدیق ہوتی ہے:

"بارہ بنکی میں میرے والد ۱۹۳۵-۱۹۳۶ء میں تھے۔ میری عمر اس وقت پانچ سال تھی مجھے اس وقت کی کوئی یادداشت نہیں ہے۔ بڑے بھائیوں اور والدہ کے ذریعہ یہ معلوم ہوا ہے کہ مولانا اصلاحی اس دوران تقریباً ۵،۶ ماہ ہمارے یہاں قیام پذیر رہے۔"(۲۱)

ڈاکٹر صاحب جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے قومی و ملی مسائل میں بھی کافی دلچسپی رکھتے تھے اور مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح کے لئے بہت فکر مند رہتے تھے۔ مولانا اصلاحی کے خود اپنے بیان کے مطابق ڈاکٹر صاحب کے گھر پر قیام کے دوران شام کی صحبتوں میں وہ اکثر انہی مسائل پر تبادلۂ خیال کرتے۔ اسلامی تعلیمات کی اشاعت اور مسلمانوں کی اصلاح کے لئے مفید تجاویز پیش کرتے۔ وہ اس کام کے لئے ایک رسالہ یا اخبار کے اجراء کے پر زور داعی تھے۔ اسی دوران انھوں نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ مولانا فراہی کے مسودات کی اشاعت کے لئے ایک مطبع کا قیام بھی ضروری ہوگا۔ (۲۲) مولانا اصلاحی ان تمام باتوں سے متفق تھے اور انکی اہمیت بھی محسوس کرتے تھے لیکن اسی کے ساتھ اس راہ کی دشواریاں ان کے پیش نظر تھیں اور اس کا اظہار بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر صاحب سے کیا لیکن انکی مسلسل تحریک پر وہ بھی اس کے قائل ہوگئے کہ ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کی سخت ضرورت ہے آخر میں یہ طے پایا کہ ایک مطبع قائم کیا جائے اور مولانا فراہی کی عربی تصانیف کی طباعت کے ساتھ ان کے اردو ترجمہ کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا جائے اور ایک ماہوار اردو رسالہ جاری ہو۔ ان تجاویز کو عملی شکل دینے کے لئے انھوں نے مزید عطیہ عنایت کیا اور جناب حفیظ احمد خان صاحب کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے بھی اظہار خوشی کے ساتھ اس کام کے لئے ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ ان کے علاوہ اور متعدد حضرات نے نہ صرف ڈاکٹر صاحب کی تجاویز سے اتفاق کیا بلکہ انھیں بروئے کار لانے کے لئے مالی تعاون کا وعدہ بھی کیا۔ ان سب یقین دہانیوں کے بعد باقاعدہ ایک مجلس کی تشکیل عمل میں آئی جو خاص طور پر اولین معاونین پر مشتمل تھی۔ یہ دائرہ حمیدیہ کے نام سے موسوم ہوئی اور ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب اور ڈپٹی عبدالغنی انصاری صاحب بالترتیب اس کے صدر اور نائب صدر مقرر ہوئے۔ مسودات کی تصحیح و ترتیب کا کام مولانا اختر احسن اصلاحی کے سپرد ہوا۔ دائرہ حمیدیہ کے کاموں کی عمومی نگرانی، مولانا فراہی کی کتابوں کا اردو ترجمہ اور "الاصلاح" کی ادارت مولانا اصلاحی کی ذمہ داریاں قرار پائیں۔ مولانا حافظ عبدالاحد اصلاحی صاحب پریس کے منیجر اور مولانا عزیز الرحمٰن اصلاحی صاحب ان کے رفیق کار مقرر ہوئے۔(۲۳)

ذمہ داریوں کی اس تقسیم کے مطابق ۱۹۳۵ء میں دائرہ حمیدیہ کا کام شروع ہوا اور جنوری ۱۹۳۶ء سے اس کے ترجمان (ماہنامہ "الاصلاح") کا اجراء عمل میں آیا۔ مولانا فراہی کے مسودات کی تصحیح و ترتیب اور انکی طباعت وار دو ترجمہ کا کام بھی آگے بڑھتا رہا۔ اس پس منظر میں ڈاکٹر صاحب اور مولانا اصلاحی کے روابط مزید وسیع و قوی ہوئے۔ دائرہ کے کاموں سے دونوں میں خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔(۲۴) ضرورت پڑنے پر یا ڈاکٹر صاحب کے اعظم گڑھ قیام کے دوران باہمی ملاقاتیں بھی ہوتی رہیں۔ بعض شواہد کی روشنی میں یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دائرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حمیدیہ کے صدر کی حیثیت سے ڈاکٹر صاحب کو دائرہ کی سرگرمیاں بالخصوص مطبع کی کارکردگی اور مطبوعات کی تفصیلات اور "الاصلاح" کی صورت حال سے انھیں برابر مطلع کیا جاتا تھا۔ حسن اتفاق سے ڈاکٹر صاحب کے نام منیجر دائرہ حمیدیہ مولانا عبدالاحد اصلاحی صاحب کا خط دستیاب ہو گیا ہے جسے یہاں ثبوت کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہ خط اگست ۱۹۳۹ء کا لکھا ہوا ہے۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب لکھنؤ میں مقیم تھے۔ خط کا متن حسب ذیل ہے:

دائرہ حمیدیہ

سرائے میر، اعظم گڑھ

۱۰/ اگست ۱۹۳۹ء

جناب مکرم زاد مجدکم

تسلیمات مسنونہ۔ امید ہے مزاج بخیر ہوگا میں اپنی چند ذاتی پریشانیوں کے باعث ادھر عرصہ سے خیریت دریافت نہ کر سکا اور نہ ہی دائرہ کے حالات سے جناب کو مطلع کر سکا جس سے سخت نادم اور شرمسار ہوں میں اپنی اس کوتاہی پر جناب سے معافی کا خواستگار ہوں۔

اوائل ۳۹ء میں مہینوں یہاں طاعون کی شکایت رہی جس سے عملہ دفتر باقاعدہ قیام نہ کر سکا۔ اس کے قیام نہ کرنے کے سبب ماہانہ گوشوارہ کی ترتیب کا التزام بھی قائم نہ رہ سکا۔ بس اسی مجبوری کے سبب دفتر ماہانہ گوشوارہ سخت کوششوں کے باوجود بھی بھیجنے سے قاصر رہا اب ماہانہ اور سالانہ گوشوارے تیار کرائے گئے ہیں۔ ماہانہ گوشوارے جنوری ۳۹ء سے جولائی تک کے بھیجے جا رہے ہیں۔ سالانہ گوشوارے چندے تاخیر سے بھیجے جائیں گے۔

دائرے کے تمام کام بدستور چل رہے ہین۔ اسباق النحو حصہ اول ۵۰۰ چھپی تھی سب فروخت ہو گئیں، پر اب ایک ہزار کی تعداد میں چھاپی جارہی ہیں اسکی مانگ بڑھ رہی ہے۔ کتاب کی چھپائی ہو چکی ہے صرف سرورق باقی ہے۔ ایک دوروز میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ بھی چھپ جائے گا اس کے بعد عربی کتاب کی چھپائی شروع ہو گی۔

الاصلاح جوں توں چل رہا ہے اسکی طرف سے رفقاء کی طبیعتیں بہت فکر مند ہیں۔ یوں تو اس کے جاری رکھنے کا شدید ترین تقاضہ ملک کی طرف سے ہے۔ مگر اس کی توسیع اشاعت اور مصارف کی طرف سے بالکل غفلت ہے۔ معلوم نہیں مسلمانوں میں صحیح ضرورت کا احساس کب پیدا ہو گا؟

رفقاء دائرہ بخیریت ہیں۔ حاجی صاحب قبلہ بعافیت ہیں۔ میرے ہاتھ پاؤں میں دانے نکل آئے تھے جس سے بڑی تکلیف تھی اب بفضلہٖ تکلیف کم ہے اور دانے تقریباً ہضم ہو گئے۔ خدا کرے آپ مع متعلقین بخیر و عافیت ہوں۔

والسلام مع الاکرام

عبدالاحد (۲۵)

اس خط سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو دائرہ حمیدیہ کی کارگزاری سے کس اہتمام سے واقف کرایا جاتا تھا اور کارکنان دائرہ ان سے کتنا تعلق خاطر رکھتے تھے۔

جہاں تک دائرہ حمیدیہ کے لئے ڈاکٹر صاحب کے گراں قدر عطیہ (پچاس ہزار روپے) کا تعلق ہے جو ایک مدت سے موضوع بحث بنا ہوا ہے اور مدرستہ الاصلاح میں ۲۴-۲۶ رفروری ۱۹۹۹ء کو منعقدہ مولانا امین احسن اصلاحی سیمنار کی ہر نشست میں کسی نہ کسی حیثیت سے اس کا ذکر آیا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ (ڈاکٹر صاحب کے خود اپنے بیان کے مطابق) ان کی دیرینہ خواہش تھی کہ وہ اپنی ذاتی آمدنی میں سے ایک معقول رقم حصول ثواب و طلب رضائے الٰہی کی نیت سے اشاعت دین و اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر وقف فی سبیل اللہ کر دیں۔ چنانچہ پچاس ہزار کی رقم اس کے لئے مختص کر دی۔ کافی عرصہ تک یہ انہی کے نام بینک میں پڑی رہی یہاں تک اسکی تولیت اور مقررہ مقاصد میں اس کے استعمال کے لئے ان کی نظر انتخاب مولانا امین احسن اصلاحی پر پڑی جن کے بارے میں ان الفاظ میں انھوں نے اپنا تاثر ظاہر کیا کہ "وہ ایک صالح و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متدین وذی علم شخص ہیں اور ہر حیثیت سے میرے مقاصد کو پورا کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں"۔ ڈاکٹر صاحب کے اصرار پر مولانا اس اہم ذمہ داری کو قبول کرنے کے لئے راضی ہوگئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جماعت اسلامی کے قیام اور اس میں مولانا کی شمولیت کے بعد جماعت کے ذمہ داران ورفقاء کی جانب سے ان پر زور ڈالا جارہا تھا کہ وہ اس کے صدر دفتر دار الاسلام پٹھان کوٹ منتقل ہو جائیں۔ چنانچہ اسی دوران ۱۹۴۳ء کے اواخر میں) وہ پٹھان کوٹ چلے گئے اور انکو موقوفہ رقم کی منتقلی موخر ہوتی گئی۔ فروری ۱۹۴۶ء میں وہ وطن آئے اور اسی سفر کے دوران ڈاکٹر صاحب نے مولانا اصلاحی کو یہ رقم (بصورت چیک) حوالہ کی اور انھیں اس کا متولی وامین مقرر کیا چند ماہ بعد جولائی ۱۹۴۶ء میں ڈاکٹر صاحب نے مولانا اصلاحی سے مشورہ کی روشنی میں اس وقف کی نگرانی اور اس کے ذریعہ مقررہ مقاصد کی تکمیل کی خاطر ایک جماعت یا کمیٹی تشکیل دی جو ان دونوں صاحبان کے علاوہ مولانا اختر احسن اصلاحی، مولانا بدر الدین اصلاحی اور حکیم محمد اسحاق پر مشتمل تھی۔ اس طرح یہ وقف باقاعدہ ایک ٹرسٹ میں تبدیل ہو گیا اور مولانا اصلاحی بدستور اس کے متولی وامین برقرار رہے۔

رہا سوال کہ وہ کیا خاص امور تھے جن کی انجام دہی اس وقف کے ذریعہ مقصو، تھ[illegible]ں مقاصد کی تکمیل کیلئے یہ رقم ڈاکٹر صاحب نے مختص کی تھی۔ عام طور پر یہ معروف ہے یہ عطیہ خالصتاً دائرہ حمیدیہ کے کاموں یا مولانا فراہی کے مسودات کی تدوین واشاعت، ان کے اردو تراجم کے اہتمام اور نامکمل کاموں کی تکمیل کے لئے تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ کام ان اعلیٰ مقاصد کا محض ایک حصہ تھا جنھیں بروئے کار لانے کیلئے یہ وقف قائم کیا گیا تھا وقف نامہ کے مطابق یہ مقاصد حسب ذیل ہیں:

(الف) دعوت و تبلیغ: یعنی ضلع اعظم گڑھ کے اندر ایسے مبلغین مقرر کئے جائیں جو عام مسلمانوں میں صحیح دینی شعور پیدا کریں۔

(ب) تعلیم: آئندہ نسلوں کو فکری و عملی اعتبار سے ٹھیک مسلمان بنانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے ضلع اعظم گڑھ کے اندر ایک ایسے تعلیمی ادارہ کا قیام عمل میں لایا جائے جو آئندہ چل کر اسلامی تعلیم کے صحیح مرکز کے مقصد کو پورا کر سکے۔

(ج) ایک ایسا ادارہ تصنیف و تالیف ضلع اعظم گڑھ کے اندر قائم کیا جائے جو مسلمانوں کے لئے صحیح عقلی و فکری غذا مہیا کرے۔ مثلاً مولانا حمید الدین فراہیؒ کے نقطۂ نظر کے مطابق سادہ اور عام فہم زبان میں قرآن پاک کی اعلیٰ تفسیر و ترجمہ اور مولانا موصوف کے مسودات اور ان کے تراجم کی اشاعت۔ ناتمام مقالات کی تشریح و تکمیل اور دیگر تصانیف جو اسلام کو بحیثیت نظام زندگی سمجھانے میں معین ہوں، ایک ماہوار رسالہ کا اجراء سادہ و صاف زبان میں جو صحیح اسلامی فکر پیدا کرے۔"

یہاں یہ واضح رہے کہ اسی وقف نامہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ رقم موقوفہ کا ایک مناسب حصہ ادارہ تصنیف و تالیف کے شعبہ اشاعت میں تجارتی اصولوں پر اس نقطۂ نظر سے لگایا جائے کہ اسمیں ترقی و اضافہ ہوتا رہے اور یہ سلسلہ خیر برابر جاری رہے ان تفصیلات سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ بڑے اہم و بلند مقاصد کے لئے ڈاکٹر صاحب نے یہ خطیر رقم وقف کی تھی یہ بات بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ ان مقاصد عالیہ کی تکمیل کے لئے ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف یہ کہ مولانا امین احسن اصلاحی کو اپنا معتمد سمجھا بلکہ اس یقین و اعتماد کا برملا اظہار بھی کیا کہ وہ اس اہم و مشکل کام کی انجام دہی کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس اعتماد و یقین کے اظہار میں مولانا اصلاحی نے اپنی قدر افزائی محسوس کی اور ڈاکٹر صاحب کے نام ایک خط میں اسکا اعتراف بھی کیا تھا۔ ۱۵ر جون ۱۹۴۴ء کو لکھے گئے اس خط کا ایک حصہ ملاحظہ ہو:

"میں نے آپکے وصیت نامہ کو اپنے ضروری کاغذات میں محفوظ کر لیا ہے اور اب میں اس امانت کے بارے میں اسی کو پیش نظر رکھوں گا۔ اس تحریر کو پاکر مجھے بڑا اطمینان ہوا ہے۔ میں ادھر برابر یہ خیال کر رہا تھا کہ آپکا منشا آپکے الفاظ میں قلمبند ہو جائے تو نہایت اچھا ہے بلکہ میں اس کے لئے خط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھنے والا تھا اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ میں روزانہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس امانت کو ٹھیک ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اگرچہ میں اس بات کے لئے آپکا نہایت ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے اس اعتماد کے لائق سمجھ کر میری عزت بڑھائی ہے لیکن جب میں اس عظیم ذمہ داری کا خیال کرتا ہوں جو آپ نے مجھ پر ڈال دی ہے تو سخت فکر و پریشانی محسوس کرتا ہوں۔"

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنی بڑی ذمہ داری قبول کرنے اور اسکا احساس رکھنے کے باوجود مولانا اصلاحی پٹھان کوٹ اور پھر لاہور میں قیام پر کیوں راضی ہو گئے۔ اسکی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں ہے تاہم سب سے مشہور توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ جماعت اسلامی کے مرکز میں مولانا کی اہم ذمہ داریاں انکی وطن واپسی میں حائل رہیں۔ ان سب سے قطع نظر یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ مدرسہ کے دیگر بہی خواہان و متعلقین کے مثل ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب بھی مولانا کے اس فیصلہ سے خوش نہیں تھے اور انھوں نے اس کا اظہار بھی کیا تھا۔ اس کا واضح ثبوت ڈاکٹر صاحب کے نام مولانا اصلاحی کے ایک خط مکتوبہ ٦ر مئی ۱۹۴۴ء کی اس عبارت سے ملتا ہے:

"مجھے بعض احباب کے خطوط سے یہ معلوم کر کے نہایت افسوس ہوا کہ آپ میرے یہاں چلے آنے سے نہایت ناخوش ہیں۔ میں اس کو اپنی بدقسمتی سمجھتا ہوں لیکن آپکو یقین دلاتا ہوں کہ میں یہاں نہ طلبِ دنیا کے عشق میں آیا ہوں نہ طلب جاہ و شہرت کے لئے۔ اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔"

اسی خط میں انھوں نے یہ بھی واضح کیا کہ پٹھان کوٹ میں ان کا قیام و موجودہ مصروفیات عارضی ہیں اور اب بھی ان کی دلی تمنا یہی ہے کہ ان کا سارا وقت مولانا مرحوم کے مسودات کی ترتیب اور ان کے نامکمل کاموں کی تکمیل میں صرف ہو۔ مزید براں مولانا نے یہ بھی صراحت کی کہ یہاں چلے آنے کو اس عطیہ کی ناقدری پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمول نہیں کرنا چاہئے جسے وہ ایک نعمت سمجھتے ہیں۔ بس بعض مسائل اور حالات کی مجبوری تھی کہ انھیں وطن چھوڑنا پڑا۔

دوسری جانب اس بات کے قطعی شواہد موجود ہیں کہ مولانا نے ۱۹۴۷ء میں وطن واپسی اور مستقلاً یہیں رہ کر جماعت و دائرہ حمیدیہ کی خدمت انجام دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو حکیم محمد مختار اصلاحی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

"میرے گھر میں ان دنوں راہوں (مولانا کا سسرالی گاؤں جو اب بھارتی صوبہ پنجاب کے ضلع ہوشیار پور میں ہے۔ مدیر "تدبر") ہیں۔ آجکل کچھ صحت خراب ہے۔ رمضان میں میرا ارادہ بھی راہوں میں قیام کا ہے اور رمضان بعد مستقلاً اعظم گڑھ منتقل ہو جانے کا ہے اور اللہ تعالیٰ نے موقع دیا تو وہیں سے جماعت کی خدمت اور دائرہ کی تجدید کا ارادہ ہے۔"(۲۶)

غالباً تقسیم کے دوران کے ہنگامی و شورش زدہ حالات کی وجہ سے مولانا اصلاحی کا یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا جیسا کہ مولانا کے خصوصی تربیت یافتہ اور قریب ترین پاکستانی شاگرد جناب خالد مسعود صاحب نے خیال ظاہر کیا ہے۔(۲۷)

ان سب باتوں کے علاوہ مولانا اصلاحی کی ڈاکٹر صاحب سے مراسلت سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ دین کی تبلیغ، معاشرہ کی اصلاح اور قرآنی علوم کی اشاعت کے لئے ڈاکٹر صاحب کے منصوبوں سے وہ متفق تھے لیکن انہیں بروئے کار لانے کے لئے ڈاکٹر صاحب نے جو طریقہ متعین کیا تھا یا انہیں عملی شکل دینے کے لئے جو خطوط وضع کئے تھے ان سے مولانا کو کچھ اختلاف تھا وہ ان منصوبوں کو پورا کرنے کے لئے طریق کار کے تعین میں آزاد رہنا چاہتے تھے۔ موقوفہ رقم سے مقررہ مقاصد کس طور پر حاصل کئے جائیں وہ اسے اپنی صوابدید کے مطابق طے کرنا چاہتے تھے ڈاکٹر صاحب کے نام مولانا کے ایک خط کی درج ذیل عبارت سے یہی ظاہر ہوتا ہے:

"مجھ سے زیادہ اس بات کا کوئی اور خواشمند نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے سرمایہ سے اپنے دین کی کوئی خدمت کرادے اور یہ خدمت میرے ذریعہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے انجام پائے اور اللہ گواہ ہے کہ میرے دل میں یہ آرزو محض اس قلبی تعلق کی بنا پر ہے جو ایک مدت سے مجھے آپ کے ساتھ ہے میں کسی شخص کے روپیوں کی ذمہ داری لیتے ہوئے بہت ڈرتا ہوں اور ہرگز اس بات کے لئے راضی نہیں ہوں کہ قیامت کے دن مجھے کسی کی امانت کا حساب چکانا پڑے۔۔۔ لیکن آپ کا ڈالا ہوا بوجھ میں اٹھانے کے لئے تیار تھا اور تیار ہوں۔ بشرطیکہ آپ کو مجھ پر پورا اطمینان ہو پورے اطمینان کا مطلب یہ ہے کہ آپ یہ فیصلہ مجھ پر چھوڑ دیں کہ یہ روپیہ کس دینی کام میں صرف ہو اور کس صورت میں صرف ہو یہ ضرور ہے کہ جو لوگ اپنا سرمایہ کسی کے سپرد کرتے ہیں وہ اس طرح سپرد نہیں کرتے لیکن میں اگر یہ عرض کروں کہ جو تعلق مجھے آپ سے ہے اس طرح کا تعلق کوئی عام چیز نہیں ہے تو شاید بے جانہ ہوگا۔"

یہ خط ۹ / دسمبر ۱۹۴۶ء کا لکھا ہوا ہے اس کے بعد کے خط مورخہ ۲۴ / دسمبر ۱۹۴۶ء میں اسی بات کا اعادہ ان الفاظ میں ملتا ہے:

"اب اگر آپ مجھے اس لائق سمجھتے ہیں کہ میں دین کی کوئی خدمت انجام دے سکتا ہوں اور آپ کو مجھ پر اعتماد ہے تو میں اس بات پر راضی ہوں کہ آپ کی طرف سے کوئی ذمہ داری قبول کروں بشرطیکہ آپ وہ ذمہ داری مجھ پر پورے اعتماد کے ساتھ ڈالیں اور سب کچھ میری صوابدید پر چھوڑ دیں انشاء اللہ آپ کی دی ہوئی رقم دین کی خدمت میں صرف ہوگی اور میں قیامت میں اس کا حساب دوں گا۔"

اس مراسلت کا کیا نتیجہ رہا یا ڈاکٹر صاحب نے مولانا کے خطوط کا کیا جواب دیا اس کی وضاحت کہیں مل نہیں سکی۔ ان مسائل سے قطع نظر مولانا کے خطوط سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب سے بڑا تعلق خاطر رکھتے تھے اور ان کے دینی جذبہ اور کار خیر میں ان کی دلچسپی کی بڑی قدر کرتے تھے۔ بعض معاملات میں اختلاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے باوجود اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ محسوس ایسا ہوتا ہے کہ ان میں جو روابط علمی بنیاد پر قائم ہوئے تھے وہ بتدریج کافی گہرے ہوتے چلے گئے اور ان کی نوعیت بالکل گھریلو تعلقات کی ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے نام مولانا کے متعدد خطوط میں علمی باتوں، دائرہ حمیدیہ وغیرہ کے معاملات کے علاوہ گھریلو مسائل، اپنی وگھر والوں کی بیماری یا آزاری اور خوشی اور غمی کے مواقع کا بھی ذکر ملتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے نام ایک خط کے آخر میں مولانا لکھتے ہیں:

"آپ کی بیماری میں اضافہ کی خبر سے دل کو بڑا دکھ ہوتا ہے مگر دعا کے سوا اور کوئی چیز اپنے اختیار میں نہیں ہے سو اس سے کسی وقت بھی غافل نہیں ہوں۔ مکرمی جناب منشی جی اور گھر کے دوسرے لوگوں کے خدمت میں سلام و دعا۔ مجھے دوران سر کی دیرینہ شکایت کے سوا اوپر ایک پھوڑا ہو گیا تھا جس سے ہفتہ عشرہ تکلیف رہی ہے۔ اب اچھا ہوں۔ گھر میں طبیعت ابھی پوری طرح صاف نہیں ہوئی ہے۔ اب امرتسر کے ڈاکٹروں سے مشورہ کا ارادہ ہے آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتی ہیں۔"

آپ کا خادم

امین احسن

۱۵/ جون ۱۹۴۶

اس سے زیادہ اپنائیت کا اظہار ایک دوسرے خط مورخہ ۱۹/ دسمبر ۱۹۴۶ میں ان الفاظ میں ملتا ہے:

"آپ کی صحت کا حال مختلف اشخاص کے خطوط سے معلوم ہوتا رہتا ہے۔ وقتاً فوقتاً آپ کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں اور ہر چند آپ سے بہت دور ہوں لیکن میرا دل آپ سے بہت قریب ہے کاش میں آپ کی کوئی خدمت انجام دینے کے لائق ہوتا۔ آپ کی بے انتہا عنایات کو جب یاد کرتا ہوں تو میرا دل بے انتہا ممنون ہوتا ہے اگر آسانی سے ممکن ہو تو خیریت کے دو کلمے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھوا دیجئے۔ (۲۸) میں بحمد اللہ اچھا ہوں البتہ دوران سر کی تکلیف ہو جایا کرتی ہے اپریل میں وطن آنے کا خیال ہے۔ گھر کے لوگوں کو سلام و دعا۔

آپ کا خادم

امین احسن اصلاحی

مولانا کے ایک دوسرے خط کا درج ذیل حصہ بھی ڈاکٹر صاحب سے انکے قلبی لگاؤ اور ان کے تئیں محبت واحترام کے جذبات کا آئینہ دار ہے :

"میں مکرر آپ کے خلوص و شفقت کا شکریہ ادا کرتا ہوں، میں جن بزرگوں کے اخلاص و محبت کی اپنے دل میں خاص قدر رکھتا ہوں ان میں آپ کا مقام شاید سب سے اونچا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مجھے آپ حضرات کے احکام ٹالنے میں روحانی اذیت ہوتی ہے اور جب بھی ایسی صورت حال سامنے آتی ہے تو سخت آزمائش سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ آپکی پیشکش میرے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ میں دل سے اس فیاضی اور شفقت کی قدر کرتا ہوں اور اس پر آپکا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا بھی جس نے آپ کے ذریعہ سے میری عزت بڑھائی۔"

مختصر یہ کہ ایک جانب ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب کا دینی جذبہ اور دینی و علمی کاموں کے لئے انکی فیاضی و فراخدلی اور اہلِ علم کی قدر دانی دوسری جانب مولانا امین احسن اصلاحی کی بے پناہ علمی صلاحیت، قرآنیات سے گہرا شغف ، دین و علم دین کی خدمت میں گہری دلچسپی دونوں میں اتصال سے بڑے اہم دینی و علمی کام انجام پا سکتے تھے۔ اس کے مواقع بھی پیدا ہوئے لیکن افسوس کہ موقوفہ سرمایہ کے عدم استعمال کی وجہ سے یہ بار آور نہ ہو سکے۔ اس کے جو بھی اسباب رہے ہوں یہ خاص طور سے مدرستہ الاصلاح و دائرہ حمیدیہ کے لئے ایک بڑے خسارے کا باعث بنا۔ جس کی تلافی کی کوئی صورت بظاہر نظر نہیں آتی لیکن کارساز حقیقی اللہ رب العزت کے لئے کچھ مشکل نہیں اس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آخر میں اس حقیقت کی جانب اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان میں رہ کر مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے تفسیر تدبیر قرآن کی تالیف کی صورت میں جو عظیم الشان کارنامہ انجام دیا وہ اسی منصوبہ کا ایک حصہ تھا جو ڈاکٹر صاحب کے پیش نظر تھا، یہ ذکر پہلے آچکا ہے کہ مسلمانوں کی فکری اصلاح اور صحیح نہج پر انکی مذہبی و معاشرتی زندگی کی اصلاح کی خاطر ڈاکٹر صاحب یہ بھی چاہتے تھے کہ سادہ و عام فہم زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ اور مولانا فراہی کے اصولوں کے مطابق اسکی تفسیر مرتب کی جائے۔ مولانا نے خود (تدبر قرآن کی تالیف کے آغاز سے کئی سال قبل) ڈاکٹر صاحب کے نام ایک خط (تحریر کردہ ۶ر مئی ۱۹۴۴ء) میں واضح طور پر یہ ذکر کیا تھا کہ مولانا فراہی کے مسودات کی تصحیح و ترتیب اور ان کے اردو ترجمہ کے علاوہ وہ قرآن کریم کے ترجمہ اور اسکی ایک جامع تفسیر مرتب کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ خود ان کے اپنے الفاظ میں :

> "فی الحال میرے پیش نظر مولانا کے مسودات کی ترتیب اور ترجمہ کے سوا قرآن کی ایک جامع تفسیر کی تکمیل کا تخیل ہے۔ اس کے لئے ایک وسیع نظام مطلوب ہے جس کا بروئے کار آنا صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ دائرہ ترقی کرے اگرچہ زمانہ جنگ میں اس کے لئے کوئی موثر اقدام ممکن نہیں ہے تاہم کچھ نہ کچھ آج بھی ممکن ہے۔ اس بیچ میں اگر کچھ چیزیں نکلتی ہیں اور مجھے اطمینان کے ساتھ اسکا موقع ملا کہ میں ترجمہ قرآن یا تفسیر کا کام زمانہ جنگ میں پورا کر سکا یا معتدبہ حد تک کر سکا تو انشاء اللہ دائرہ کی زندگی کا مستقل سامان ہو جائے گا اور آپ کے لگائے ہوئے سرمایہ سے دنیا میں خدمت قرآن کا ایک صحیح ادارہ مستقل بنیاد پر قائم ہو جائے گا اور یہ دین کی ایسی خدمت ہو گی کہ جس کا اجر و ثواب انشاء اللہ بے حد و بے پایاں ہو گا۔"

یہ بات عام طور پر معروف ہے کہ فہم قرآن کے باب میں مولانا فراہی نظم قرآن کو کلیدی حیثیت دیتے تھے وہ اس خیال کے حامل و پرزور داعی تھے کہ قرآن مجید شروع سے آخر تک سورہ و آیات دونوں لحاظ سے ایک مرتب، مربوط اور منظّم کلام ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر سورہ میں ایک مرکزی مضمون پایا جاتا ہے، سورہ کی تمام آیات اس سے اس طرح جڑی ہوئی ہیں کہ ہر سورہ ایک مکمل وحدت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی اصول کے مطابق مولانا فراہی نے تفسیر نظام القران و تاویل الفرقان بالفرقان" کے نام سے عربی میں تفسیر لکھنی شروع کی تھی جو صرف ۱۴ سورتوں تک پوری ہو سکی۔ (۲۹) مولانا فراہی کے اصول تفسیر کو "تدبر قرآن" میں پوری طرح برت کر مولانا اصلاحی نے انکی خصوصی تربیت سے مشرف ہونے اور فن تفسیر پر عبور رکھنے کا حق ادا کیا۔ اس تفسیر میں درحقیقت استاد و شاگرد دونوں کے نتائج فکر شامل ہیں۔ مولانا اصلاحی خود کہا کرتے تھے کہ "تدبر قرآن" تقریباً سو سال تک قرآن کریم میں تدبر و تفکر کا ماحصل ہے۔ اسکی تشریح خود ان کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

> "تفسیر تدبر قرآن میں میں نے اپنی زندگی کے پورے ۵۵ سال صرف کیے ہیں۔ جن میں سے ۲۳ سال صرف کتاب کی تحریر و تسوید کے نذر ہوئے ہیں۔ اگر اس کے ساتھ وہ مدت ملا دی جائے جو استاذ امامؒ نے قرآن کے غور و تدبر پر صرف کی ہے اور جس کو میں نے اس کتاب میں سمونے کی کوشش کی ہے تو یہ کم و بیش ایک صدی کا قرآنی فکر ہے جو آپ کے سامنے تفسیر "تدبر قرآن" کی صورت میں آیا ہے۔" (۳۰)

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تفسیر تدبر قرآن کی تالیف و اشاعت میں ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب کا زر موقوفہ استعمال میں نہ آسکا لیکن اس تفسیر کے ذریعہ مولانا اصلاحی نے اپنے قریبی و مخلص رفیق کے دینی و علمی منصوبوں کا ایک بڑا حصہ پایہ انجام کو پہنچادیا۔ ایک روایت کے مطابق مولانا اصلاحیؒ نے خود ایک بار فرمایا تھا:

> "ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب نے جس کام کے لئے پچاس ہزار روپے کی رقم میرے اکاؤنٹ میں جمع کی تھی وہ کام میں نے ایک پائی خرچ کئے بغیر مکمل کر دیا ہے۔"

ظاہر ہے کہ اس سے مراد "تدبر قرآن" کی تکمیل اور اس کے توسط سے فہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کی راہ ہموار کرنا اور مسلمانوں کی اصلاح کا سامان بہم پہنچانا تھا۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم سے فکری و علمی وابستگی اور علم قرآن کی اشاعت کی توفیق عنایت فرمائے۔ اللھم وقفنا بما تحب وترضی)

حواشی و مراجع

(۱) کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج، لاہور کے بارے میں تفصیلات کیلئے ملاحظہ فرمائیں: وحید الحسن ہاشمی، کالج، نقوش، لاہور نمبر (حصہ دوم)، جلد ۹۲، فروری ۱۹۶۲ء، ص: ۶۹۹۔۷۰۱

(۲) عشرت رومانی، فضا اعظمی سے ملاقات، طلوع افکار کراچی، (فضا اعظمی نمبر) ۴ر ۲۹، اپریل ۱۹۹۸ء، ص ۱۲

(۳) طلوع افکار، محولہ بالا شمارہ، ص ۸۵

(۴) جناب عقیل احمد صاحب، کے بھائیوں میں جناب انیس احمد صاحب کنگ جارج میڈیکل کالج لکھنؤ سے فراغت کے بعد دوا سازی کی کمپنیوں میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ اس وقت وہ خود نوشت سوانح عمری کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ جناب رئیس احمد صاحب نے پاکستان کی مشہور کمپنی لیور برادرس میں کافی عرصہ تک ڈسٹری بیوشن منیجر کی خدمات انجام دیں۔ ریٹائر ہونے کے بعد اب کراچی میں اپنے ذاتی کاروبار میں مشغول ہیں۔ جناب جمیل احمد صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے شماریات (Statistics) میں ایم ایس سی کرنے کے بعد امریکہ چلے گئے اور وہاں ہندوستانی سفارت خانہ میں اسٹنٹ ڈائرکٹر (کامرس) کے منصب پر فائز رہے۔ ملازمت سے سبکدوش کے بعد اب امریکہ ہی میں سکونت پذیر ہیں۔ جناب جلیل احمد صاحب نے مسلم یونیورسٹی سے انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے۔ وہاں فلپس کمپنی میں سیلز مینیجر کی خدمات انجام دیں اور دبئی میں ایک

© rasailojaraid.com